ایسا کیوں ہوتا ہے؟

تحریر۔حسن رضا چنگیزی

ایسا کیوں ہوتا ہے کہ جب عقیدے یا سیاسی نظریات کی بات ہوتی ہے تو ہم ساری نزاکتیں،گفتگو کا سارا سلیقہ اور ساری وسیع النظری فراموش کرکے گالی گلوچ،ہاتھا پائی بلکہ اکثراوقات تشدد پہ اتر آتے ہیں؟حالانکہ زندگی کے بہت سارے معاملات میں ہم وسیع القلبی اور اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے نظر آتے ہیں۔زرا اپنے اطراف نظر دوڈائیں۔آپکولوگوں کے لباس ،اُن کے رنگوں ،بالوں کی تراش خراش،داڈھی مونچھوں کی بناوٹ،جوتوں کے سٹایل اورپرفیوم کی خوشبو الغرض ہر معاملےمیں ایک تنوّع نظر آئے گا۔انواع واقسام اور رنگوں کی گاڑیاں،ان پہ لگے آرایشی سٹکرزاور ان گاڑیوں کے اندر سے ابھرنے والی مدھرموسیقی کی مختلف اصناف۔کیا آپ نے کبھی کسی شخص کو کسی دوسرے فرد سےمحض اس بات پہ لڑتے جھگڑتے یا ایک دوسرے کا خون بہاتے دیکھا ہے کہ اس نے فلاں رنگ کے کپڑے کیوں پہن رکھے ہیں یااسکے بالوں کا سٹایل ویسا کیوں ہے یا پھر وہ محمدرفیع کے بجائے استاد سراہنگ کے گانے کیوں نہیں سنتا؟ہرگزنہیں ۔بلکہ ہر کوئ اسے دوسرے کے ذوق اور ذاتی مسئلے سے تعبیر کرکے اپنی راہ لے لیتاہے ۔چلئے ان باتوں کو بھی چھوڑ دیتے ہیں۔کیا کھانے پینے کے معاملے میں سب کی پسند و ناپسند ایک ہوتی ہیں۔کاروبار اور زندگی کے دیگر شعبوں کا انتخاب کیا ہم اپنی سہولت اور مرضی کےمطابق نہیں کرتے؟شادی بیاہ اور دیگر رسومات کے معاملےمیں بہت ساری باتیں شاید ہمیں اچھی نہ لگے۔ہم ناک بھوں تو چڑھا لیتے ہیں لیکن کیا ہم ڈنڈا اور اسلحہ لیکر ان پر دھاوا بول دیتے ہیں؟یقیناً نہیں بلکہ یہاں بھی ہم سارے معاملے کو انکا ذاتی معاملہ جان کر چپ سادھ لیتے ہیں۔اپنے بچوں کو ہم کسی مِشنری سکول میں داخل کرائیں یا ایسے سکول میں جہاں اسلامی تعلیمات پر زیادہ زور دیا جاتا ہو اس موضوع پر کسی کے ساتھ گفتگو تو کی جاتی ہے لیکن آستینیں چڑھا کر ایک دوسرے پر نہیں چڑھ دوڑتے۔لیکن جب عقیدے یا سیاسی نظریات کی بات ہوتی ہیں تو ہم ساری نزاکتیں،گفتگو کا سارا سلیقہ اور ساری وسیع النظری فراموش کرکے گالی گلوچ،ہاتھا پائی بلکہ اکثر اوقات تشدد پہ اتر آتے ہیں۔تب ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ عقیدہ اور نظریہ بھی کسی انسان کا ذاتی فعل ہوتا ہے جس کے لئے اپنے معبود کے سامنے جوابدہ بھی وہ خود ہی ہوتا ہے اور ہر انسان کو یہ حق حاصل ہے کہ زندگی کے دیگر تمام معاملات کی طرح وہ اپنے عقیدے اور نظریے پر بھی مکمل آزادی کے ساتھ اور کسی دباو کے بغیر عمل کرسکے۔لیکن عقیدے اور نظریے کے معاملے میں ہم کسی اور کی سنتے کہاں ہیں۔تب ہم اپنی آنکھیں اور کان دونوں بند کرلیتے ہیں۔ دراصل ہم سب اس زعم میں گرفتار ہیں کہ فقط ہم ہی حق پر ہیں باقی سب غلط راستوں پر چل رہے ہیں۔ پھر یہی سے ساری خرابی شروع ہوتی ہے کوئی بات زرا بھی ہمارے مزاج اور عقیدے کے خلاف ہو ہم جھٹ سے کوئی فتو یٰ صادر کردیتے ہیں اور آستینیں چڑھا کر اور پاینچے اٹھا کر دوسروں کو بزورِبازو صحیح راستے پر لانے کے لیے میدان میں کود پڑتے ہیں۔اگر ہمارے پڑوس میں کسی غریب کے بچّے بھوک سے تلملا رہے ہوں،پاس کویئ مریض دوائیں نہ ہونے کے باعث ایڑیاں رگڑنے پر مجبور ہو یا پھر پڑوس کی بیوہ عورت بچوں کی کتابوں جوتوں اور کپڑوں کے لئے پریشان ہو تو ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی لیکن ہم انہیں صبرو شکر کی تلقین اور راہِ راست پر چلتے رہنے کی نصیحت کرنے کا اپنا فریضہ ادا کرنا ہرگز نہیں بھولتے۔انکی مدد کرتے ہوئے ہمارے ہاتھ کانپتے ہیں لیکن تواتر کے ساتھ صدقات و خیرات کرتے رہتے ہیں تاکہ سب پر ثابت کرسکیں کہ ہم کتنے راہ راست پر اور خدا کے کتنے نیک بندے ہیں۔جب ہم مذہب کی بات کرتے ہیں تو دیگر مذاہب کے لوگ ہمیں جہنمی نظر آتے ہیں لیکن جب بات فرقوں کی ہوں تو دیگر فرقوں کے لوگ ہمیں کافر لگتے ہیں۔حد تو یہ کہ ایک ہی فرقے کے کسی دوسرے گروہ کے ساتھ ایک دسترخوان پربیٹھنا اور ایک دوسرے کی مسجد میں نماز پڑھنا ہمیں گوارا نہیں کہ اس سے ہمارے عقیدے پہ آنچ آتی ہے۔ایک دوسرے کو جنت کا صحیح راستہ دکھانے کی دوڑ میں ہم اتنے آگے نکل آئے ہیں کہ ہم نے دنیا کو جہنم بنا کے رکھ دیا ہے۔حالانکہ مذہب چاہے کوئ بھی ہو بنیادی طور پر پیارومحبت اور انسانیت کا درس دیتا ہے۔لیکن ہم ہیں کہ مزہب کی بات سامنے آتے ہی پیار و محبت اور انسانیت بھول جاتے ہیں،تمام قانونی اور اخلاقی حدیں پار کرلیتے ہیں اور معاملہ زور زبردستی سے حل کرنا شروع کر دیتے ہیں ۔۔ساری دنیا میں یہ دستور ہے کہ ریاستیں اپنی حدود میں نظم و ضبط برقرار رکھنے کی خاطر وقتاًفوقتاً نیئے قوانین متعارف کراتی رہتی ہیں جبکہ ہر معاشرے کی اپنی بھی کچھ اخلاقیات ہوتی ہیں جو ریاستی قوانین کے ساتھ مل کر معاشرےمیں نظم و ضبط قایم رکھنے میں معاون ثابت ہوتی ہیں۔یہ لوگوں کے حقوق و فرایضٔ کی حدود کا بھی تعیّن کرتے ہیں۔اس بارے میں ایک مشہور مقولہ بھی ہے کہ آپ کی حد وہاں ختم ہوتی ہے جہاں سے میری ناک شروع ہوتی ہے۔ لیکن جب معاشرے سے برداشت اور تحمل اٹھ جائے اور ادارے، گروہ اور افراد خود ہی اپنی اور دوسروں کی حدود کا تعیّن کرنا شروع کریں تو ہر طرف افراتفری اور انارکی پھیل جاتی ہے۔پاکستان کی بدقسمتی یہی ہے کہ یہاں نہ صرف اداروں بلکہ گروہوں اور افراد نے بھی ازخود تمام حدیں متعیّن کرنا شروع کر دی ہے۔جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ نہ صرف ملک کا حال خراب سے خراب تر ہوتا جا رہا ہے بلکہ اسکے مستقبل پر بھی سوالات اُٹھنے لگے ہیں۔ اگر ہم اپنے معاشرے کو ایک متمدن اور پر امن معاشرہ بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں دوسروں کی خواہشات اور پسندو ناپسند کے ساتھ ساتھ ان کے عقائد و نظریات کا بھی اُتنا ہی احترام کرنا ہوگا جتنا اپنے عقائد و نظریات کا کرتے ہیں۔لیکن ایسا کیوں ہوتا ہے کہ جب عقیدے یا سیاسی نظریات کی بات ہوتی ہے تو ہم ساری نزاکتیں،گفتگو کا سارا سلیقہ ، ساری وسیع النظری اور انسانیت فراموش کرکے گالی گلوچ،ہاتھا پائی ، تشدد بلکہ دہشت گردی پہ اتر آتے ہیں؟